حضرت نوحؑ اور دوسرے انبیاء کی دعوت الی اللہ میں ہمارے لئے سبق

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۶ رمئی ۱۹۸۳ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے درج ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا ۙ﴿۶﴾ فَلَمْ یَزِدْهُمْ
دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا ﴿۷﴾ وَاِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا
اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا
وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۚ﴿۸﴾ ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۙ﴿۹﴾ ثُمَّ اِنِّیْۤ
اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۙ﴿۱۰﴾ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا
رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ﴿۱۱﴾ یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا ۙ﴿۱۲﴾
وَّیُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ وَیَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّیَجْعَلْ
لَّكُمْ اَنْهٰرًا ؕ﴿۱۳﴾ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۚ﴿۱۴﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ
اَطْوَارًا ﴿۱۵﴾ اَلَمْ تَرَوْا كَیْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۙ﴿۱۶﴾ وَّجَعَلَ
الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۷﴾ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ
الْاَرْضِ نَبَاتًا ۙ﴿۱۸﴾ ثُمَّ یُعِیْدُكُمْ فِیْهَا وَیُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿۱۹﴾

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿۲۰﴾ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۱﴾ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۲﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۳﴾

(نوح:۶-۲۳)

سورۂ نوح کی یہ آیات جو میں نے تلاوت کی ہیں یہ ایک مثال کے طور پر ہیں کہ انبیاء کی دعائیں اور نصائح بعض موقع پر اس طرح قرآن کریم میں ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر اور ہم آہنگ کر کے بیان فرمائی گئی ہیں جیسے ایک ڈوری کے بل کھاتے ہوئے دھاگے مل کر ایک ڈوری بناتے ہیں۔ یہ مثال بھی ایسے ہی موقع کی ہے۔

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء جب تبلیغ کرتے ہیں اور اس تبلیغ کے نتیجہ میں انکار کیا جاتا ہے اور کج بحثی سے ان کا مقابلہ کیا جاتا ہے، دلائل کے مقابل پر زور دکھایا جاتا ہے، عقل کے مقابل پر جہالت کی باتیں کی جاتی ہیں تو ہمیشہ جواب میں انبیاء معاً اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور دعا ہی ان کا جواب ہوتا ہے۔ اس کی متعدد مثالیں قرآن کریم میں ملتی ہیں کہ مکالمہ تو ہو رہا ہے دشمن سے لیکن اس کو جواب دینے کی بجائے معاً نبی اپنے رب سے باتیں شروع کر دیتا ہے۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ میں بھی اسی قسم کی مثالیں قرآن کریم پیش فرماتا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ میں بھی اسی قسم کی مثالیں پیش فرماتا ہے اور اسی طرح دوسرے انبیاء کے ذکر میں بھی ایسی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔

یہ جو مثال میں نے پیش کی ہے اس میں بھی حضرت نوح علیہ السلام دعا کی صورت میں اپنے رب کے سامنے عرض کر رہے ہیں کہ اے خدا! میں نے تو قوم کے لئے یہ کچھ کر دیا ہے اس سے زیادہ میرے بس میں کچھ نہیں تھا، اب تو ہی ان کا حساب جانے کیونکہ ان کو سمجھانے کی مجھے تو کوئی اور ترکیب سمجھ نہیں آتی۔ اور جس تفصیل کے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام کی کوششوں کا یہاں ذکر ملتا ہے وہ ہمیشہ کے لئے مبلغ قوموں کے لئے ایک عظیم الشان سبق ہے۔ وہ عرض کرتے ہیں رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا اے اللہ! میں نے تو نہ دن دیکھا نہ رات، راتوں کو بھی اپنی قوم کو نصیحت کی اور دن کو بھی نصیحت کی۔ اس میں کیسا درد ہے اور کتنی محنت ہے کہ خدا کی خاطر نہ دن کو آرام کیا نہ رات کو چین

لیا۔قوم کو ہلاکت سے بچانے کے لئے میں نے دن کو بھی تبلیغ کی اور رات کو بھی تبلیغ کی فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيٓ اِلَّا فِرَارًا مگر جتنا جتنا میں ان کو بلاتا چلا گیا اتنا ہی یہ مجھ سے دور بھاگتے رہے۔وَاِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ اور جب بھی میں نے ان کو بلایا اور بلانے میں میری یہ غرض نہیں تھی کہ میری طاقت بڑھے، یہ خواہش نہیں تھی کہ میرا جتھہ پیدا ہو، نہ مجھے کوئی ذاتی حرص تھی، خالصتاً اس لئے ان کو بلایا کہ تو ان کو بخش دے یعنی قوم پر رحم کے جذبہ کے سوا میرے بلانے میں کوئی اور نیت شامل نہیں تھی۔

ادھر تو میرا یہ حال تھا کہ میں خالصتاً ان کی خاطر ان پر رحم کرتے ہوئے ان کو بلا رہا تھا اور ادھر قوم کا یہ حال تھا کہ وہ میرے بلانے پر اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے اور اپنے سر کے اردگرد کپڑے لپیٹ لیتے تھے کہ اگر انگلیوں کے باوجود بھی کوئی آواز پڑ سکتی ہے تو کپڑا لپیٹ لیا جائے اور نوح کو مایوس کر دیا جائے۔وہ کلیۃً یہ ارادہ ترک کر دے کہ ہمیں بھی وہ کچھ سنا سکتا ہے۔وَاَصَرُّوْا اور وہ انکار پر مصر ہو گئے۔وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا اور بڑے ہی تکبر سے کام لیا۔ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۙ ثُمَّ اِنِّيْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۙ کہ اے میرے رب میں تو پھر گلیوں میں پکارتا ہوا بھی پھرا۔بلند آواز سے اپنی قوم کو بلانا شروع کیا کہ شاید کسی کان میں کوئی ایسی آواز پڑ جائے جس سے اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا ہو جائے۔

ایسے بھی وقت آتے ہیں بعض دفعہ بعض مبلغین پر کہ جب وہ سمجھتے ہیں کہ فرداً فرداً تو کوئی آدمی تو بات سننے کے لئے تیار نہیں، عام اعلان کرتے پھرو۔دیوانہ وار کہتے چلے جاؤ کہ خدا کی طرف سے آنے والا آ گیا ہے۔شاید کسی کان میں کوئی بات پڑ جائے۔جماعت کی تاریخ میں ایسے واقعات بھی گزرے ہیں کہ بعض جگہ جب ہمارے مبلغین گئے اور تمام دیہات کے باشندوں نے کلیۃً انکار کر دیا کہ ایک آدمی بھی تمہاری بات نہیں سنے گا تو وہ کوٹھے پر چڑھ گئے اور انہوں نے یہ اعلان کرنا شروع کیا کہ اے گاؤں کی دیوارو! تم سن لو اور اے گاؤں کی ہواؤ! تم بھی سن لو اور اے آسمان! تم بھی گواہ رہو کہ میں نے بلند آواز سے قوم کو پیغام پہنچا دیا ہے۔

معلوم ہوتا ہے حضرت نوح علیہ السلام پر بھی ایسے حالات آئے تھے کہ بے اختیار اور بے قرار ہو کر وہ بلند آواز سے پکارتے ہوئے گلیوں میں پھرے اور اپنے رب سے یہ عرض کی اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا

میرے اللہ میں نے تو بلند آواز سے بھی اس قوم کو اپنی طرف بلایا ہے ثُمَّ اِنِّیْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ پھر کھلی کھلی مجالس میں بھی تبلیغ کی ہے وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا اور چھپ کر بھی کی ہے۔

یہ بہت ہی حکمت کی بات ہے۔ بسا اوقات ایک انسان کھلی مجلس میں بات سنتا ہے اور اثر قبول کر بھی لیتا ہے لیکن ایسے انسان بھی پائے جاتے ہیں کہ کھلی مجالس میں بات سننے سے گھبراتے ہیں۔ ان کے اندر بنیادی طور پر بزدلی پائی جاتی ہے اور مجلس میں اگر ان سے بات کریں تو وہ اثر قبول کرنے سے بھی انکار کر دیتے ہیں تا کہ دیکھنے والے یہ نہ سمجھ لیں کہ ہم متاثر ہو گئے۔ ایسے لوگوں سے الگ بات کرنی پڑتی ہے، علیحدگی میں سمجھانا پڑتا ہے۔ چونکہ قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ تبلیغ کے لئے حکمت ضروری ہے تو معلوم ہوتا ہے حضرت نوح علیہ السلام نے حکمت کا کوئی پہلو باقی نہیں چھوڑا۔ کہیں کھلی مجالس میں بھی باتیں کیں تا کہ قوم کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ بزدل نہیں ہیں، یہ ڈرنے والے نہیں ہیں، یہ کھلے بندوں بات سب کے سامنے کرتے ہیں، کوئی لگی لپٹی نہیں رکھتے، کوئی بات چھپا کے نہیں رکھتے اور مخالف کو خوب موقع دیتے ہیں کہ وہ بھی اپنی بات کرے۔ یہ اَعْلَنْتُ لَهُمْ کا فائدہ ہے لیکن پھر بھی کچھ ایسے کمزور لوگ تھے جن کو علیحدگی میں تبلیغ کرنی پڑتی تھی۔ وہ بھی حضرت نوح علیہ السلام نے کی اور پھر ان سے کہا فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ﴿۱۱﴾ اور پھر میں نے ان کو حرص بھی دلائی، لالچ بھی دی۔ کیونکہ بہت سے لوگ خوف سے نہیں مانتے اور لالچ سے مان جاتے ہیں۔ ان کو میں نے کہا کہ دیکھو! تمہارے گناہ بہت سہی لیکن میرے رب کی رحمت بہت ہی زیادہ وسیع ہے، تم اس سے مایوس نہ ہو۔ استغفار کرو، میرا رب تو بے حد بخشنے والا رب ہے۔ جس خدا کی طرف میں بلا رہا ہوں وہ تو مغفرت کے بہانے ڈھونڈتا ہے۔ غفار کے معنے حد سے زیادہ بخشش کرنے والے کے ہوتے ہیں۔ اگر تم اس سے معافی مانگو گے تو تمہارے گناہوں کے باوجود تم پر رحمتیں برسانی شروع کر دے گا يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ﴿۱۲﴾ وہ رحمت کے بادل بھیجے گا جو تم پر موسلا دھار بارشیں برسائیں گے۔ وہ بارشیں تمہارے لئے رزق میں اضافہ کریں گی، وہ برکتیں لے کر آئیں گی ہلاکتیں لے کر نہیں آئیں گی کیونکہ نتیجہ یہ نکالا وَ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ ایسی رحمتوں اور برکتوں کی بارشیں آئیں گی کہ تمہارے اموال میں بھی برکت ڈال دیں گی تمہاری اولادوں میں بھی برکت ڈال دیں گی۔ یعنی موسم صحت کے لئے بھی اچھا ہو جائے گا۔ ایسا موسم نہیں ہوگا کہ جس میں فصلیں بھی تباہ

ہونی شروع ہو جائیں اور بچے بھی مرنے لگ جائیں بلکہ ایسی رحمتوں والی اور صحت مند بارشیں آئیں گی کہ فضا پاک ہو جائے گی، فصلیں بھی پرورش پائیں گی اور نسلیں بھی پرورش پائیں گی وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ اور تمہارے لئے بکثرت باغ اگیں گے۔ یہ بارش لہلہاتے ہوئے باغ پیدا کریں گی۔ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا اور تمہارے لئے نہریں اور دریا جاری ہو جائیں گے۔ پھر مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿۱۴﴾ کہہ کر ان کی عقل کو جھنجھوڑا اور فرمایا کہ تم کیوں ایسی حماقتوں والی باتیں کر رہے ہو۔ تم اپنے رب کے لئے عقل کی بات کیوں نہیں کرتے۔ تم نے اپنی بیہودہ اور بے وزن حرکتوں کی بنا پر اپنے رب کو بے وقرا کیوں سمجھا ہوا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ میں کوئی حکمت کی بات نہیں ہے کہ تمہاری بے حیائیوں کو بھی برداشت کرتا چلا جائے گا، وہ تمہاری جہالتوں سے بھی درگزر کرتا چلا جائے، تمہاری ہر قسم کی بے وقری حرکتوں سے صرف نظر کرتا چلا جائے اور کوئی نوٹس نہ لے۔ اس لئے اپنے رب کی طرف کوئی حکمت، کوئی عقل اور کوئی وزن کی بات منسوب کرو۔ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿۱۵﴾ اس نے تو تمہیں ایسی عظیم الشان طاقتیں دے کر پیدا کیا ہے جس کے نتیجہ میں تم درجہ بدرجہ ترقی کرتے چلے آرہے ہو۔ ایسا عظیم الشان صاحب حکمت رب ہے اور تم اس کی طرف بے وقری کی باتیں منسوب کر رہے ہو۔

پھر حضرت نوح علیہ السلام نے لوگوں کو آفاق کی طرف متوجہ کیا۔ یہ عجیب انداز ہے پہلے ان کے نفوس کی طرف متوجہ کیا۔ پھر ان کو اس زمین کی طرف متوجہ کیا جہاں توبہ کرنے والی قوموں پر خدا تعالیٰ کے فضل نازل ہو سکتے ہیں اور خدا کے فضل نازل ہوتے ہیں۔ پھر ان کو آفاق کی طرف متوجہ کیا کہ تم زمین اور آسمان کی طرف کیوں نہیں دیکھتے۔ اس زمین اور آسمان کو پیدا کرنے والا ایک ایسا خدا موجود ہے جس نے کائنات کو باطل پیدا نہیں کیا۔ یہ وہی رنگ ہے جیسا کہ قرآن کریم میں یہ دعا سکھائی گئی ہے رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (آل عمران: ۱۹۲) اور مومن اس دعا کا یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ اے خدا! یہ جو زمین و آسمان کا نظام ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تو نے کسی چیز کو باطل پیدا نہیں کیا اور جب باطل پیدا نہیں کیا تو پھر اس سے حساب ہوگا۔ چنانچہ حضرت نوحؑ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو پیدا کیا اور باوجود اس کے کہ یہ سات آسمان ایک دوسرے سے کتنے ہی فاصلوں پر ہیں ان کو طباقاً پیدا کیا۔ یہ ایک دوسرے سے کامل طور پر منطبق ہو رہے ہیں، ان کے قوانین بھی ایک دوسرے کے ساتھ

نہیں ٹکرا رہے اور ان کا اندرونی نظام بھی ایک دوسرے کے ساتھ مطابقت رکھ رہا ہے اور ان کا بیرونی نظام بھی ایک دوسرے کے ساتھ مطابقت رکھ رہا ہے۔ یہ اتنا حیرت انگیز واقعہ ہے کہ اربوں ارب روشنی کے سالوں پر آسمان موجود ہوں پھر بھی ان میں مطابقت ہے۔ یہ تو ان کو علم نہیں تھا کہ اتنے فاصلے پر ہیں لیکن فاصلوں کے جتنے بھی ان کے علم تھے اس کے مقابل پر یہی نسبت بنتی تھی۔

امر واقعہ یہ ہے کہ اگر چہ اس زمانہ کے انسان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ فاصلے روشنی کے سالوں میں بھی ناپے جا سکتے ہیں لیکن ان کی اپنی رفتاریں بڑی سست تھیں۔ ان کے زمانے گھوڑوں اور بیلوں اور گدھوں کے زمانے تھے اور ان کے اپنے فاصلوں کے تصورات اتنے محدود تھے کہ اس کے مقابل پر آسمان کی وسعتیں ان کے دل پر وہی ہیبت طاری کرتی تھیں جو آج کے انسان کے دل پر اربوں سالوں کے اندر ناپے جانے والے فاصلے ہیبت طاری کرتے ہیں۔ اس لئے آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ قرآن کریم کی بات کا ان پر اثر نہیں تھا یا ان کو علم نہیں تھا۔ اپنے اپنے علم کے مطابق انسان ہمیشہ کائنات سے حیرت زدہ ہی رہا ہے۔ پس اس فطری تقاضے کو ابھارتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کو حیرت میں مبتلا کیا۔ فرمایا زمین و آسمان میں اتنے فاصلے ہیں اور آسمانوں کے درمیان آپس میں کتنے فاصلے ہیں اس کے باوجود یہ ایک منضبط نظام ہے، طباقاً ہے، ایک دوسرے سے بھی مطابقت رکھتا ہے اور اندرونی طور پر بھی مطابقت رکھتا ہے۔

پھر فرمایا وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۷﴾ اور دیکھو! چاند کو نور کا ذریعہ بنایا جو اثر کو قبول کرتا ہے، روشنی کو قبول کرتا ہے اور پھر آگے پھیلاتا ہے اور سورج کو ایسی روشنی عطا کی جو براہ راست دوسروں کو بھی روشن کر سکتا ہے۔ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿۱۸﴾ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿۱۹﴾ اور اس نے تمہیں زمین سے اس طرح نکالا کہ پرورش دیتا ہوا ادنیٰ سے اعلیٰ حالتوں کی طرف منتقل کر دیا۔ زمین سے پیدا ہوئے اور آسمانوں سے باتیں کرنے لگے، یعنی آسمان کی وسعتوں کی طرف توجہ دلا کر انسان کو اس کا منتہا یاد کرا دیا کہ تم جو زمین سے پیدا ہوئے ہو زمین کے کیڑے بننے کے لئے یا زمین سے چپکے رہنے کے لئے نہیں پیدا کئے گئے بلکہ ہم نے تمہیں اس طور سے پیدا کیا ہے کہ دن بدن تم زمین سے اٹھتے چلے جا رہے ہو اور رفعتیں اختیار کرتے چلے جا رہے ہو اور اگر تم اسی طرح ترقی کو جاری رکھو گے تو تمہارا آخری منتہا آسمان کی وسعتیں ہیں لیکن کچھ ایسے ہوں

گے جو زمین میں لوٹا دیئے جائیں گے وہ زمین کو پسند کرلیں گے اور ان میں سے کچھ ایسے ہوں گے جن کو پھر خدا تعالیٰ دوبارہ نکالے گا اور پھر ان رفعتوں کی طرف بلند کرے گا جن کا وعدہ دیا جاتا ہے۔

اسکے بعد فرمایا وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿۲۰﴾ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۱﴾ دیکھو اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارے لئے اس کے ناہموار ہونے کے باوجود تمہاری نظر میں ایسا ہموار کر دیا ہے کہ تم اس میں کھلے کھلے رستے پاتے ہو اور ان میں سفر کرتے ہو، اس نیت اور اس ارادہ کے ساتھ خدا تعالیٰ نے زمین کو تمہارے لئے ہموار کیا ہے۔

پس ایک قوم کو جھنجھوڑنے کے لئے جتنی بھی امکانی نصیحتیں ہوسکتی ہیں وہ ساری حضرت نوح علیہ السلام کی اس نصیحت کے اندر آجاتی ہیں اور یہ ساری نصیحت ایک دعا کے رنگ میں ہے اور یہ نصیحت دعا اس طرح بن جاتی ہے کہ خدا تعالیٰ کے حضور حضرت نوحؑ عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! میرے حال پر بھی نظر کرم فرما کہ میں نے تیری خاطر کتنی کتنی تکلیفیں برداشت کیں کیسے کیسے جتن کئے۔ اس میں نہ صرف یہ کہ قرآن کریم نے نصیحت کا انداز سکھا دیا بلکہ دعا کا انداز بھی سکھا دیا اور وہ یہ کہ دعا ایسے رنگ میں کرو کہ اللہ تعالیٰ کی تمہارے دل پر اور تمہاری دلی کیفیات پر محبت اور پیار کی نظریں پڑنے لگیں تا کہ پھر خدا تمہاری دعاؤں کو رد نہ کرے بلکہ وہ اپنے فضل سے ان کو قبول فرمالے۔

غرض یہ حضرت نوح علیہ السلام کی طرز دعا تھی جس میں نصیحت کا ریکارڈ بھی مکمل ہو گیا اور ایک نبی کی دعا کی طرز بھی ہمارے لئے محفوظ کر دی گئی اور یہ بھی بتا دیا گیا کہ دعا کا حق وہ رکھتے ہیں جو پہلے دعا کرنے کا حق ادا کرتے ہیں۔ محض روکھی سوکھی منہ کی دعائیں کرنے سے تم یہ نہ سمجھو کہ خدا تعالیٰ تمہارے منہ کی نکلی ہوئی ایسی دعاؤں کو ضرور قبول کرلے گا۔ دعائیں تو وہ قبول ہوتی ہیں جن کے پیچھے گہرا جذبہ پایا جاتا ہے، جن کے ساتھ گہرا خلوص وابستہ ہو، تقویٰ کے اندر ان کی جڑیں ہوں، پاک اعمال سے وہ دعائیں ابھریں۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے مختلف حالات میں جو دعائیں کیں ان میں یہ ساری باتیں آجاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دیکھو تم بھی ویسی ہی کوششیں کرو۔ اپنی طاقتوں کے مطابق اپنی کوششوں کو انتہا تک پہنچا دو۔ پھر تمہارا حق ہوگا کہ تم اپنے رب کے حضور دعائیں کرو۔ پھر دیکھو اللہ تعالیٰ کس طرح ان کو قبول فرماتا ہے۔

یہ ساری باتیں کہنے کے بعد پھر حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۲﴾ کہ اے میرے اللہ! ان ساری باتوں کو سننے کے بعد انہوں نے انکار کر دیا ہے اور پیروی کے لئے اس کو چنا جس کو اس کے اپنے اموال اور اپنی اولادیں بھی فائدہ نہیں دے سکتیں یعنی ایسے دنیا داروں کو چنا ہے جن کی اولادوں اور جن کے اموال نے ان کو کبھی نفع نہیں پہنچایا ہمیشہ گھاٹوں کے سودے کرتے رہے ہیں۔ پس دیکھ بھال کر اور پوری طرح حالات پر نظر رکھتے ہوئے اس قوم نے اچھی چیز کو رد کر دیا ہے اور بری چیز کو اختیار کر لیا ہے اور صرف یہی نہیں کہ اپنے لئے برا رستہ اختیار کیا ہے بلکہ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۳﴾ یہ تو تیرے نام کو مٹانے کے لئے ہر قسم کے مکروں سے کام لے رہے ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان حالات سے گزرنے کے بعد کیا بددعا کرنی جائز ہے اور کیا اللہ تعالیٰ مومن بندوں سے یہی توقع رکھتا ہے کہ جب وہ اپنی کوشش کو انتہا تک پہنچا دیں تو پھر دعا میں بددعا کے سوا کچھ نہ کریں؟ حضرت نوح علیہ السلام کی اس دعا سے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے جسے میں دور کرنا چاہتا ہوں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے قوم پر جو بددعا کی وہ اپنے ارادہ سے نہیں کی بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ اس واقعہ کا ذکر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود حضرت نوح علیہ السلام کو خبر دی تھی کہ تم اپنی قوم کے لئے جو چاہو کر لو جتنی چاہو دعائیں کرو میں جو عالم الغیب خدا ہوں تمہیں بتا رہا ہوں کہ اس قوم کے مقدر میں اب کوئی ہدایت نہیں، اب سوائے فاسق فاجر بچوں کے یہ قوم اور بچے پیدا نہیں کر سکتی۔ تب حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کی کہ اے خدا! یہ دنیا پھر اس لئے تو پیدا نہیں کی گئی کہ یہاں فسق و فجور کو رواج دیا جائے اور منکرین اور ملحدین پیدا ہوں۔ اگر تیرے علم میں یہ بات آچکی ہے کہ اس قوم میں ایک بھی مومن پیدا نہیں ہو سکتا تو پھر ان کو ہلاک کر دے، اب یہ دنیا میں زندہ رہنے کے اہل نہیں رہے۔ یہ تھا اس دعا کا فلسفہ جو حضرت نوح علیہ السلام نے کی تھی۔

جہاں تک انبیاء علیہم السلام کی حالت کا تعلق ہے ان کے دل کی حالت تو یہ ہوتی ہے کہ اکثر اوقات سوائے اس کے کہ خدا تعالیٰ حکم دے وہ اس علم کے باوجود کہ قوم ہلاک ہونے والی ہے اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ قوم ہلاک ہو جائے۔ چنانچہ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ میں جہاں نصیحت اور دعاؤں کا

مضمون اکٹھا ہو جاتا ہے وہاں وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ میں بھی صبر اور دعا کا مضمون اکٹھا ہو جاتا ہے۔ انبیاء اتنے صبر کرنے والے ہوتے ہیں کہ انتہائی دکھ اور تکلیفیں اٹھانے کے باوجود بھی قوم کے لئے بددعا نہیں کرتے بلکہ ان کے لئے دعا ہی کرتے چلے جاتے ہیں۔ پس اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے جو حضرت نوح علیہ السلام کے واقعات سے بعض لوگوں کے دل میں پیدا ہوتی ہے میں دو مثالیں بیان کرتا ہوں۔ ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال ہے اور دوسری حضرت لوط علیہ السلام کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب قوم نے ہر طرح سے ناکام کرنے کی کوشش کی، ان کو آگ میں بھی ڈالا گیا، ہر قسم کی مخالفتیں کی گئیں اور کہا گیا کہ ہم تجھے مٹا کر رکھ دیں گے۔ ان سب باتوں کے باوجود جب اللہ تعالیٰ نے خوشخبری دے کر فرشتے بھیجے اور بتایا کہ نہ صرف یہ کہ لوگ تجھے مٹا نہیں سکیں گے بلکہ ہم تیری نسل کو دنیا میں اس طرح پھیلا دیں گے کہ وہ ریت کے ذروں اور آسمان کے ستاروں کی طرح شمار نہیں کی جا سکے گی۔ یہ خوشخبری دینے کے بعد فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتایا کہ ہم لوطؑ کی قوم کی طرف جا رہے ہیں تا کہ ان کو ان کی قوم کی ہلاکت کی خبر دیں۔ یہ تھی وہ خبر جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ایک طرف خدا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ بتا رہا تھا کہ بنی نوع انسان کے مٹانے کا فیصلہ نہیں ہوا بلکہ تیری نسل اور تیرے تخم اور تیری ذریت سے اتنی عظیم الشان نسل دنیا میں پھیلائی جائے گی کہ ان کا شمار ممکن نہیں ہوگا۔ پھر اس تسلی کے بعد چھوٹی سی یہ خبر دی کہ لوطؑ کی قوم ہلاک ہونے والی ہے۔

یہ تمہید کیوں باندھی؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے ہی نرم دل اور حد سے زیادہ رحم کرنے والے تھے۔ بنی نوع انسان کی ہمدردی میں ان کا دل حد سے زیادہ پگھل جانے والا تھا لیکن باوجود اس کے کہ عظیم الشان خوشخبری کے پس منظر میں بڑے پیار سے خبر دی گئی تھی۔ جس طرح کوئی News Break کی جاتی ہے یعنی تسلی دے کر اور بہت سے دلاسے دینے کے بعد بتایا جاتا ہے کہ تا کہ صدمہ نہ پہنچے۔ اسی طرح یہاں بھی اس سے زیادہ عمدہ دلاسہ اور کیا ہو سکتا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قیامت تک کے لئے عظیم الشان نسلوں کی خوشخبری دی جا رہی تھی۔ پھر بھی جب یہ خبر سنی کہ لوط کی قوم کے لوگ ہلاک کئے جائیں گے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام بے قرار ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جھگڑا کرنے لگے، خدا سے بحث شروع کر دی کہ اے خدا! ان کو

ہلاک نہ کر۔ قرآن کریم نے تو مختصراً ذکر کیا ہے کہ بحث کی لیکن بائیبل نے اس واقعہ کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ خبر ملی تو انہوں نے ترکیب سوچی کہ میں اپنے رب کو کس طرح مناؤں، کس طرح اس قوم کو تباہی سے بچاؤں۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ اے خدا! میں مانتا ہوں کہ قوم کی اکثریت گنہگار ہوگئی ہے اور ہلاکت کے لائق ہے لیکن اس میں تیرے سو بندے تو ضرور نیک ہوں گے۔ تیری رحمت بڑی وسیع ہے، تو بہت ہی کرم کرنے والا ہے، کیا ان سو بندوں کے صدقے تو ساری قوم کو بخش نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ ہاں بخش سکتا ہوں، اگر سو آدمی نیک ہوں تو میں ضرور ان کی خاطر بخش دوں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام گھبرا گئے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سو آدمی بھی نیک نہیں ہیں۔ پھر انہوں نے کہا اے خدا! اگر ان میں نوے آدمی نیک ہوں تو کیا پھر بھی قوم کو ہلاک کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاں نوے بھی ہوں تب بھی قوم کو بخش دوں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سمجھا کہ یہ تو غلطی ہوگئی۔ میں نے قوم کے بارہ میں بہت ہی زیادہ حسن ظن سے کام لیا۔ اس پر انہوں نے اَسّی کی خاطر معاف کرنے کی گزارش کی اور خدا نے اَسّی کی خاطر بخشنا بھی قبول فرمالیا۔ پھر ستر پر آئے، ساٹھ تک گرے، پچاس پر اترے اور ہر دفعہ اللہ تعالیٰ یہ کہتا رہا کہ ہاں اگر پچاس بندے بھی نیک ہوں تو میں ضرور مان جاؤں گا، ان کی خاطر میں ساری قوم کو معاف کر دوں گا۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دس پر آ گئے اور جب اس سے نیچے جانے لگے تو پھر ان کا دل دہل گیا۔ انہوں نے کہا کہ اب اس بحث کو لمبا کرنا ٹھیک نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ گنتی کے چند انسان ہیں جو نیک ہیں ان کے سوا ساری قوم گندی ہو چکی ہے۔ یہ ہے وہ بحث جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے خدا سے کر رہے تھے۔ (العنکبوت: ۳۲، ۳۳) (پیدائش باب ۱۸ آیات ۲۰-۳۳)

پھر حضرت لوط علیہ السلام کی مثال بھی بڑی عجیب وغریب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک طرف تو ہم لوط کو یہ خبر دے رہے تھے کہ یہ قوم ہلاک ہونے والی ہے۔ اب فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ تم اس شہر کو چھوڑ کر چلے جاؤ اور حضرت لوط علیہ السلام نے جب یہ خبر سنی تو ان کا یہ حال تھا کہ فرشتے جو خبر لے کر آئے تھے ان کی وجہ سے بہت تنگی محسوس کی اور اس بات کا برا منایا اور فرشتوں کے ساتھ جھگڑنے لگے کہ نہیں نہیں ایسا نہیں ہونا چاہئے، کچھ مہلت ملنی چاہئے۔ اور ادھر قوم کا یہ حال تھا کہ وہ فساد کرنے اور ان کو ہلاک کرنے کے لئے دوڑی چلی آ رہی تھی۔ یہ بات بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

ایسا نہیں تھا کہ لوطؑ کو غلطی لگی تھی اس کو پتہ نہیں تھا کہ قوم مجھ پر حملہ کر رہی ہے اس لئے ان کے لئے دعا کر رہا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لوطؑ کی قوم تو ایسی قوم تھی جو پہلے سے لوطؑ کے ساتھ برا سلوک کرتی چلی آ رہی تھی اب کوئی نئی بات وقوع میں نہیں آئی تھی۔ اس علم کے باوجود کہ قوم نے اب بھی مجھ سے برا سلوک کرنا ہے حضرت لوط علیہ السلام قوم کی بخشش کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہے تھے۔ چنانچہ فرشتوں کے ساتھ ابھی وہ باتیں ختم نہیں ہوئی تھیں کہ قوم حضرت لوط علیہ السلام کے دروازے کھٹکھٹانے لگی اور آپؑ کے مکان کے اردگرد دنگا فساد برپا کر دیا اور کہنے لگی کہ ہم دروازے توڑ کر اندر داخل ہو جائیں گے۔ یہ جو باہر سے آنے والے ہیں ان کو ہمارے سپرد کرو ہم ان سے جو بدسلوکی کرنا چاہتے ہیں کریں گے۔ اس حالت میں بھی حضرت لوط علیہ السلام کی زبان سے آخر وقت تک دعا ہی نکلی ہے اور اپنی قوم کے لئے اپنے رب سے بخشش کی استدعا ہی کرتے رہے ہیں۔

یہ ہیں وہ لوگ جو تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ اور تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ کا حق ادا کرتے ہیں، حق پر قائم رہتے ہوئے حق بات کی نصیحت کرتے چلے جانا اور صبر کی بھی ایسی انتہا کر دکھانا کہ قوم ہلاکت کے درپے ہو اور مٹانے کے لئے سارے ذرائع اختیار کرے اور ہلاکت کی تدبیروں پر عمل درآمد کروا رہی ہو اس وقت بھی ان کے لئے دعائیں کی جائیں۔ یہ وہ مضمون ہے جو حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوط علیہ السلام کے واقعات سے مختصراً میں نے بیان کیا ہے۔

جماعت احمدیہ کو میں یہ نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جو یہ واقعات محفوظ کئے یہ محض قصے کہانی کے طور پر تو محفوظ نہیں کئے۔ آنحضرت ﷺ کو اس طرح خبریں دی گئیں۔ آپؐ کو بتایا گیا کہ تو چونکہ ساری دنیا کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اس لئے سارے عالم کے رسولوں پر جو واقعات گزر گئے ہیں وہ تیری قوم سے گزرنے والے ہیں یعنی تیرے ساتھ تمام انبیاء کی کہانی دہرائی جائے گی اور اس میں اس بات کا ثبوت ہے کہ عالمی رسول آ گیا ہے۔ اگر صرف نوحؑ کی کہانی دہرائی جاتی یا صرف ابراہیمؑ کی کہانی دہرائی جاتی یا صرف لوطؑ کی کہانی دہرائی جاتی تو کس طرح حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کہہ سکتے تھے کہ میں تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ تمام جہانوں کے لئے رحمت بننے کے لئے ضروری ہے کہ تمام جہان کے دکھ برداشت کرنے کے لئے انسان کے اندر حوصلہ ہو۔

پس ایک طرف یہ فرمایا کہ اے رسول! تجھے ہم نے سارے جہانوں کے لئے رحمت بنایا ہے اور دوسری طرف یہ بتایا کہ اے محمدؐ! ہم جانتے ہیں کہ ساری دنیا کے دکھوں کو برداشت کرنے کا تجھ کو حوصلہ ہے۔ پس اپنی قوم کو تیار کر کہ اس عظیم الشان مقام پر فائز ہونے کے لئے بے انتہا دکھوں کے راستوں سے تمہیں گزرنا پڑے گا۔ تم پر وہ کچھ بھی گزرے گا جو نوحؑ کی قوم پر گزر گیا، تمہیں وہ حالات بھی درپیش ہوں گے جو ابراہیمؑ کی قوم کو درپیش تھے، تمہیں لوطؑ کی قوم کا زمانہ بھی اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھنا پڑے گا غرضیکہ تمام انبیاء نے اپنی اپنی قوموں سے جو دکھ اٹھائے تھے وہ تیری قوم کو جو سارے عالم کی اصلاح کے لئے پیدا کی گئی ہے برداشت کرنے پڑیں گے لیکن اس کے ساتھ خدا تعالیٰ یہ خوشخبری بھی دیتا ہے کہ وہ ساری رحمتیں جو کبھی ساری دنیا کے انسانوں پر نازل کی گئی تھیں اگر تم حق پر قائم رہے اور صبر پر قائم رہے تو ان سے بڑھ کر اے محمدؐ! میں تجھ پر اور تیرے ماننے والوں پر رحمتیں نازل کروں گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم ان رحمتوں کے وارث بنیں۔ آمین۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۷/ اگست ۱۹۸۳ء)